باب 7

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی زبانیں

ہم اپنے خیالات کا اظہار زبان کے ذریعے اس لیے کرتے ہیں کہ زبان انسانی جذبات کے اظہار کا ایک قدرتی اور موثر ذریعہ ہے۔ اس سے ہم اپنے خیالات اور احساسات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ کسی بھی زبان کی موجودہ شکل ایک طویل شعوری اور مسلسل محنت کا نتیجہ ہے۔

ابتدا میں انسان محض مہمل آوازوں کے سہارے اپنے جذبات اور احساسات دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ان آوازوں نے مختلف الفاظ کی شکل اختیار کی۔ اس طرح الفاظ اور ان کے استعمال سے زبان ایک اہم ذریعہ اظہار بنی۔

انسان نے ابتدا میں ہی زبان کو اپنی اندرونی کیفیات کے اظہار کے لیے استعمال کیا۔ لیکن بعد میں معاشرتی، معاشی، طبعی اور مذہبی ضرورتوں کے پیش نظر اس میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ یوں ہر علاقے اور معاشرے کی زبان اپنے اپنے مخصوص انداز اختیار کرتی گئی۔ اس طرح مختلف انسانی زبانیں اور بولیاں پیدا ہوئیں۔

معاشی ضرورتوں اور انسان کے شعوری اور لاشعوری محسوسات میں تنوع کے ساتھ ساتھ زبان کے استعمال میں پھیلاؤ آتا گیا اور الفاظ موثر ہونے لگے۔ زبان کے ارتقاء میں اس مرحلے پر ادب نے جنم لیا۔ ادب میں اگر علاقائی ترجمانی ہو تو یہی ادب ''لوک ادب'' کہلاتا ہے۔ اس قسم کے ادب اس خطے کے بولنے والوں کے مزاج، ثقافتی پس منظر اور احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ جب اس قسم کا ادب اظہار کا موثر وسیلہ بن جاتا ہے اور زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے تو معاشرہ شعوری اور لاشعوری کیفیات کے اظہار کے لیے معیاری ادب تخلیق کرتا ہے۔ کوئی زبان جتنی زیادہ قدیم ہوگی، اس میں اتنا ہی ذخیرہ الفاظ وسیع ہوگا اور وہ وہاں کے ادب کے حوالے سے اپنے معاشرے کی نمائندگی کی صلاحیت رکھتی ہوگی۔

پاکستان ایک ایسے خطہ زمین پر واقع ہے جہاں سے کئی قسم کے قدیم تہذیبی ورثے ملے ہیں جو اپنی ترکیب اور معاشرتی اقدار کے لحاظ سے مختلف صنف ہائے ادب کے مالک ہیں۔

آریہ جو زبان بولتے تھے وہ بھی آریہ کہلاتی تھی اور آج اس کی مختلف شاخیں ایران، افغانستان، بھارت اور پاکستان میں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً پنجابی، گجراتی، سندھی، کشمیری، آسامی، نیپالی، آریاؤں کی ہندوستانی زبانیں ہیں۔ کوہستانی، فارسی، بلوچی اور پشتو ان کی ایرانی زبانیں ہیں۔ مشترکہ نسل اور قریبی زبانوں کے باوجود پاکستان، بھارت، ایران اور افغانستان کے باشندوں کے مزاج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

پاکستان کی قومی زبان اردو ہے، اس کے علاوہ اہم علاقائی زبانیں سندھی، پنجابی، بلوچی، پشتو، کشمیری (ہندکو)، براہوی اور سرائیکی وغیرہ بولی جاتی ہیں اور ان کی تعلیم یونیورسٹی کی سطح تک دی جاتی ہے۔

مختلف زبانیں ہونے کے باوجود پاکستان کے لوگ جہاں ایک مذہب کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں وہاں ان میں ایک رشتہ زبان کا بھی ہے۔ زبان کا یہ رشتہ باہمی انحصار اور زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوا۔ جسے اردو کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قومی رابطے کی زبان — اردو

اردو جہاں رابطے کی زبان کی حیثیت رکھتی ہے وہاں یہ قومی تشخص کی علامت بھی ہے۔ اردو ترکی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی "لشکر" کے ہیں۔ جب جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی حکومت مضبوط ہوئی تو انھوں نے اپنے لشکروں میں مختلف علاقوں کے لوگ بھرتی کیے۔ ان میں عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی، پنجابی، سندھی، پٹھان، بنگالی اور بلوچ وغیرہ شامل تھے، ظاہر ہے یہ لوگ مختلف زبانیں ہی بولتے تھے۔ ان کے میل جول سے ایک نئی زبان پیدا ہونے لگی۔ چونکہ یہ زبان لشکر (اردو) سے وابستہ لوگ بولا کرتے تھے اس لیے اسے اردو کا نام دیا گیا۔ اردو نے مختلف ادوار میں اپنے کئی نام تبدیل کیے۔ شروع میں اسے ہندوی، ہندی اور ہندوستانی کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ ریختہ کہلائی۔ اس کے بعد اردوئے معلّٰی اور اب صرف اردو کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

مختلف مراحل میں ناموں کی طرح اس کا ادبی آہنگ بھی بدلتا رہا مثلاً امیر خسرو ہندی یا ہندوی کے قدیم شاعر گردانے جاتے ہیں۔ ریختہ کے دور میں مصحفی وغیرہ اور اردوئے معلّٰی کے دور میں مرزا غالب اور ذوق وغیرہ مشہور ہیں۔

1647ء میں آگرہ کی بجائے شاہ جہاں نے دہلی کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو لشکری زبان بولنے والے اور دہلی کی زبان بولنے والے ایک ہی بازار میں رہتے تھے۔ بادشاہ نے اس بازار کو اردوئے معلّٰی کے نام سے پکارنا تجویز کیا۔ لہٰذا وہاں بولی جانے والی زبان کو اسی نسبت سے اردوئے معلّٰی یا زبانِ دہلوی کہا جانے لگا۔ جب یہ زبان دکن اور گجرات پہنچی تو اسے دکنی اور گجراتی بھی کہا گیا۔ اس کی مقبولیت کو دیکھ کر امراء نے اس کی ترقی کے لیے خصوصی کوششیں کیں۔ اس طرح یہ بول چال کی سطح سے بلند ہو کر بہت جلد ادبی درجہ تک پہنچ گئی۔

اردو غزل کا پہلا دیوان سلطان محمد قلی قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ نے مرتب کیا۔ دکن ہی کے ولی دکنی کا شمار بھی اردو کے ابتدائی شعرا میں ہوتا ہے۔ جن دکنی شعرا نے اردو ادب کا دامن وسیع تر کیا ان میں مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر اور خواجہ میر درد شامل ہیں۔ دہلی اور دکن کے علاوہ اردو کی مقبولیت ریاست اودھ اور لکھنؤ میں بھی ہونے لگی۔ اسی سرزمین پر غزل کے ساتھ ساتھ مرثیہ گوئی کے فن کا بھی فروغ ہوا اور انیس و دبیر جیسے بلند پایہ شعرا اردو کو نصیب ہوئے۔

انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں نظم کے ساتھ ساتھ اردو نثر کو بھی ترقی ملی۔ اسی دور میں ذوق، بہادر شاہ ظفر اور مرزا غالب جیسے عظیم المرتبت شاعر پیدا ہوئے۔ مرزا غالب کی غزل کے ساتھ ساتھ ان کی نثر بھی اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد جنوبی ایشیا میں سیاسی و معاشرتی حالات میں نمایاں تبدیلی آئی جس کے باعث تخلیقی اردو ادب نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔

سرسید احمد خاں نے علی گڑھ کالج قائم کیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشرتی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں نثر نے نمایاں ترقی حاصل کی۔ سرسید اور ان کے رفقاء نے اردو نظم اور نثر پر نئے تجربات کیے اور اردو کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ اس دور میں قومی احساس و درد بحیثیت مجموعی پیدا ہوا۔ اُسی زمانے میں مولانا حالی نے مسدس لکھی اور مسلمان قوم کو جھنجھوڑ کر اپنے عظیم ورثے کا احساس دلایا۔ انھی ایام میں مولانا شبلی نے اسلامی (مسلمان دور) تاریخ کو ایک نئے انداز میں پیش کیا۔

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفے اور شاعری کا سورج اس کے بعد طلوع ہوتا ہے انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے پورے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو یہ بات باور کروانے کی کوشش کی کہ مسلمان عظیم ثقافتی، تمدنی اور نظریاتی ورثے کے حامل ہیں۔ ان پر جو افتاد (مسلم اقدار پر دباؤ) پڑی ہے اس کا حل صرف یہی ہے کہ وہ اپنی خودی کو مضبوط کر کے نئے حالات و مشکلات کا مقابلہ کریں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی ہیں وہ باہم ایک رشتے میں منسلک ہیں اور اس طرح ان کی حیثیت

ایک امت واحدہ جیسی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ متحد ہو کر تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کریں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی شاعری اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کی۔ ان کی شاعری عوام میں اتنی مقبول تھی کہ بعض لوگوں کو ان کی طویل نظمیں بھی یاد ہوتی تھیں۔ علامہ محمد اقبالؒ کے بعد جدید ادب کے زیر اثر اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ اس میں عافیت پسندی کے رجحان پر زور تھا۔

تحریک آزادی کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد اردو ادب کی ترقی میں ایک آزاد اور اعتماد کی فضا قائم ہوئی۔ جس میں مختلف ادیبوں نے اپنے اپنے اصناف سخن میں نمایاں کام کیے۔ ان میں اردو شاعری، اردو ناول نگاری، ڈرامہ نویسی، افسانہ نویسی، اور تحقیق وتنقید شامل ہیں۔

پاکستان کی علاقائی زبانیں

پنجابی

یہ ایک بہت قدیم زبان ہے۔ پنجابی صوبہ پنجاب کی زبان ہے۔ اس زبان کا ربط اس علاقے کی قدیم ہڑپائی یا دراوڑی زبان سے ملتا ہے۔ تاریخی وجغرافیائی تبدیلیوں کے باعث اس کے چھے بڑے لہجے یا بولیاں ہیں۔ ان کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ماجھی' پوٹھوہاری' چھاچھی' سرائیکی' دھنی اور شاہ پوری۔ ماجھی لہجہ معیاری لہجہ سمجھا جاتا ہے جو لاہور اور اس کے آس پاس کے علاقے میں مروّج ہے۔ شروع میں یہ زبان ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیوں' دونوں کا حصہ تھی۔

پنجابی زبان کے علم وادب کی نشان دہی محمود غزنوی کی آمد کے زمانے سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا نام آتا ہے۔ ان کی شاعری کا موضوع تصوف' پیار ومحبت، اور حب الوطنی ہے۔

مجموعی طور پر پنجابی شاعری میں تصوف کے اسرار ورموز کا بیان خاص طور پر کیا جاتا ہے۔ ان میں شاہ حسینؒ (مادھولال حسین)' سلطان باہوؒ' بلھے شاہؒ' خواجہ فریدؒ شامل ہیں۔ تصوف کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے معاشرتی وسیاسی حالات کے رنگ واثرات ان پر غالب تھے۔ اس کا اظہار خاص اور عام فہم علامتوں میں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عوام میں بے حد مقبول ہے۔

پنجابی شاعری میں داستان گوئی بھی ایک خصوصی مقام رکھتی ہے۔ جن شعراء نے پنجابی کی لوک داستان کو منظوم کیا ان میں وارث شاہ کا قصہ ہیر رانجھا' ہاشم شاہ کا قصہ سسی پنوں' فضل شاہ کا قصہ سوہنی مہینوال' حافظ برخوردار کا قصہ مرزا صاحباں وغیرہ مشہور ہیں۔ ان قصوں میں اعلیٰ درجے کی شاعری کے علاوہ اس وقت کی پنجاب کی تاریخ نیز معاشی، مذہبی اور معاشرتی زندگی کی بھرپور جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ پنجابی زبان میں ناول بھی لکھے گئے۔ مشہور ناول نگاروں میں دبیر سنگھ' میرن سنگھ اور سید اں بخش منہاس کا ناول بہت مشہور ہیں۔

پنجابی ادب اپنے اظہار کے حوالے سے ایک بھرپور، موثر اور بے باک تصویر پیش کرتا ہے۔ جس کی دنیا کے ادب میں نظیر نہیں ملتی۔ اس کے اصناف سخن کی تعداد زندگی کے ہر شعبے پر پھیلی ہے۔ جن میں زندگی کی چھوٹی چھوٹی محسوسات تک کا اظہار کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ان میں وار، ڈھوٹ، ماہیا، دوھے، گھوڑی، سٹھنیاں' ٹپے، سمی، بولیاں وغیرہ شامل ہیں۔

بیسویں صدی سے پہلے پنجابی نثر میں بہت کم کام ہوا اور جو ہوا وہ بھی صرف مذہبی علم تک محدود تھا۔ بعد میں ناول نویسی، ڈرامہ نویسی، تذکرہ نویسی، تحقیق وتنقید اور دوسرے اصناف نثر میں مختلف لوگوں نے گرانقدر کام کیا ہے۔ اب ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی وجہ سے جدید ڈرامہ نویسی میں بھی بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ پنجابی بھی قائم ہے۔ جہاں ایم اے پنجابی اور پی۔ ایچ ڈی کروائی جاتی ہے۔

سندھی

سندھی پاکستان کی ایک قدیم ترین زبان ہے۔ یہ آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور دریائے سندھ کی وادی اور اردگرد کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے کم نہیں۔ اگرچہ اس زبان پر دراوڑی، سنسکرت، یونانی، ترکی، ایرانی اور دیگر قدیم زبانوں اور ثقافتوں کے اثرات نمایاں ہیں۔ تاہم یہ عربی اور فارسی سے بھی کافی متاثر ہوئی ہے۔ انگریزوں کی آمد کے بعد انگریزی زبان کے الفاظ بھی سندھی میں شامل ہوئے جس کے باعث سندھی زبان کے ادب اور ذخیرہ الفاظ میں وسعت آئی۔ یہ زبان اپنے قدیم ثقافتی ورثے کے سبب پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں کی نسبت زیادہ مضبوط ہے اور یہ عربی کی طرح لکھی جاتی ہے۔ اس کے حروف تہجی کی تعداد باون ہے۔

صوبہ سندھ کے شمال جنوب وسیع علاقے میں سندھی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے کئی لہجے ہیں۔ سندھ کے زیریں اور راجستھانی علاقے میں لاڑی، کچی، وچولی، کاٹھاواڑی اور عقدی کی بولیاں رائج ہیں۔ بلوچستان میں جدگالی، گنداوی، فکری، لاسی، کچی، نوری اور چینی کے لہجے بولے جاتے ہیں۔ جبکہ باقی علاقوں میں مستعمل بولیوں کو کوہستانی، سرائیکی اور وچولی کہا جاتا ہے۔ اس کا معیاری لہجہ (ساہتی) علمی، ادبی اور صحافتی نگارشات میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

پوری مسلم دنیا کی مقامی زبانوں میں سندھی ہی واحد زبان تھی جس میں قرآن پاک کا پہلا ترجمہ کیا گیا۔ سندھی زبان اس علاقے میں اسلام کے آنے سے پہلے بھی ترقی یافتہ تھی اور سندھی لکھنے پڑھنے کا رواج عام تھا۔ بعد میں مسلمانوں کے آنے کے بعد عربی کے ساتھ ساتھ اس کو بھی مکمل طور پر اہمیت حاصل رہی ہے۔

1050ء سے 1350ء تک کے دور میں ادبی و دینی تخلیقات میں خاص طور پر کام کیا گیا۔ یہ سندھ کی ادبی تاریخ کا ابتدائی دور تسلیم کیا جاتا ہے جس میں حب الوطنی، عزم، خودداری اور روحانی عقائد کے موضوعات پر لکھا گیا۔ اس دور کی داستان' قصہ' گنان' بیت' سورٹھے' گاتھا اور قابل ذکر اصناف ہیں۔ گنان شاعری کا ایک منفرد انداز تھا۔ جس کو اسماعیلی مبلغین اسلامی عقائد کی تبلیغ کا ذریعہ بناتے تھے۔ انھی مبلغین نے 40 حرفی رسم الخط بھی ایجاد کیا جسے میمن کی یا خوجکی خط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے صوفیا کرام نے بھی سندھی میں شاعری کے ذریعے اسلام کی تعلیمات پھیلائیں۔

اٹھارہویں صدی تک سندھی ادب میں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سچل سرمستؒ جیسے عظیم شاعر اپنی بے نظیر شاعری سے سندھی ادب کو مالا مال کر چکے تھے۔ اس دور کو سندھی ادب میں سنہری دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے عام زندگی اور غریب و محنت کش طبقے کی زندگی کے گن گائے اور اس میں انسانی عظمت کو اجاگر کیا۔ انھوں نے شاعری کے لیے تمثیلی انداز اختیار کیا۔ جس کا بنیادی مواد وہ سندھ کی لوک کہانیوں سے لیتے تھے۔ اسی وجہ سے سندھ کے ہر کونے میں ان کی شاعری کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ''شاہ جو رسالو'' ان کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ اسی دور کے ایک اور عظیم المرتبت شاعر عبدالوہاب المعروف سچل سرمستؒ بھی ہیں۔ انھوں نے سندھی، اردو، سرائیکی، پنجابی اور فارسی میں شاعری کی۔ وہ صوفی صفت انسان تھے اور تصوف میں وحدت الوجود ان کا مسلک تھا اور یہی ان کی شاعری کا معیار بھی ہے۔ وہ لوگوں کو توحید کا سبق دیتے تھے اور مجموعی طور پر ان کے اشعار کی تعداد نو لاکھ کے قریب ہے۔

شاعری کے ساتھ ساتھ نثری ادب میں بھی اساتذہ، علماء اور مبلغین کی اجتماعی کوششوں سے بہت سا سرمایہ جمع ہو گیا۔ اس سلسلے میں ابوالحسن سندھی کی کوششیں نمایاں ہیں۔ انھوں نے سندھی کے لیے عربی رسم الخط کو بنیاد بنا کر ایک نیا رسم الخط تیار کیا۔ اس سلسلہ میں دوسرا نام

مخدوم محمد ہاشم کا آتا ہے۔ وہ بہت بڑے عالم دین تھے انھوں نے فارسی اور سندھی میں قریباً 150 کتابیں لکھیں۔ جن کا موضوع اسلامی عقائد کی تصحیح اور تشریح ہے۔ ان میں سے بعض کو آج بھی دینی مدارس اور مصر کی جامعۃ الازہر میں نصابی کتب کی حیثیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں اخوند عزیز اللہ نے قرآن پاک کا نثری ترجمہ کیا۔

سندھی زبان میں انگریزوں کے آنے کے بعد بہت ترقی ہوئی۔ اس دور میں مرزا قلیچ بیگ کا نام بہت اہم ہے۔ انھوں نے شاعری کے موضوعات پر کتابیں لکھیں اور دنیا کی کئی اچھی کتب کے تراجم کیے۔ آپ نے جغرافیہ، تاریخ، سوانح نویسی، لغت نویسی، گرائمر نویسی، تذکرہ نویسی، ڈرامہ نگاری، ناول نگاری اور تحقیق وغیرہ کے موضوعات پر قلم اٹھایا۔ آپ نے تقریباً 400 کے قریب کتابیں لکھیں۔

انگریزوں کے دام تسلط میں برصغیر کی سیاسی اور سماجی زندگی میں بہت اہم تبدیلیاں آئیں اور لوگوں میں شعور پختہ ہوا۔ اسی دور میں سندھی صحافت کو اہمیت اور فروغ حاصل ہوا، قرآن پاک کا منظوم ترجمہ مولوی ملاح نے 1970ء کے عشرے میں کیا۔ بیت، وائی، کافی، مولود سندھی کی مخصوص شعری اصناف ہیں۔ جدید ادبی رجحانات میں سندھی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ متاثر ہوئی۔ پاکستان کے معرضِ وجود کے بعد جدید افسانہ، ڈرامہ نگاری، ادبی تحقیق اور دوسرے علمی میدانوں میں خاصا کام ہوا ہے۔ جدید ادیبوں نے روایتی انداز کو جدید رجحانات سے ہم آہنگ کیا ہے اور تمام تر نثری اصناف کو جلا بخشی ہے۔ تحقیق و تنقید میں بھی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ سندھی زبان کی ترقی کا ادارہ فعال کردار ادا کر رہا ہے۔

پشتو

صوبہ خیبر پختونخوا میں اکثریت کی زبان پختو یا پشتو ہے۔ اس کے بولنے والوں کو پختون یا پشتون کہا جاتا ہے۔ اس زبان کی ابتدا قریباً پانچ ہزار سال قبل افغانستان کے علاقے باخت یا بخت میں ہوئی تھی۔ اس نسبت سے اس زبان کے بولنے والوں کو پشتون یا پختون کا نام دیا گیا ہے جو بعد میں پختو یا پشتو بن گیا۔ پشتو ایک پرانی زبان ہے۔ دوسری زبانوں کی طرح پشتو زبان کے ادب کا آغاز بھی شاعری ہی سے شروع ہوا تھا کیونکہ اس کی پہلی کتاب آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں لکھی گئی جس کا نام ''پٹہ خزانہ'' ہے۔ نظم کا پہلا شاعر امیر کروڑ کو سمجھا جاتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کے آخر تک پشتو ادب بیرونی اثرات جذب کر چکا تھا۔ اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کی تراکیب شامل نظر آتی ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشروں میں نظم کے ساتھ ساتھ قصیدہ اور مرثیہ بھی پشتو کی خاص اصناف مانی جانے لگیں۔ غیاث الدین بلبن اور شیر شاہ سوری کے دور میں قصیدہ اور مدح کی اصناف پشتو ادب کا حصہ بنیں۔

محققین کو ''تذکرۃ الاولیا'' نام کی ایک قدیم تصنیف دستیاب ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے پشتو شعراء نے حمد و نعت کی اصناف پر بھی طبع آزمائی کی تھی۔ یہ کتاب بارہ سو صفحات کی ہے۔ محمود غزنوی کے دور میں سیف اللہ نامی ایک شخص نے باقاعدہ طور پر پشتو کے حروف تہجی تیار کیے جو آج تک رائج ہیں۔ پشتو شاعری میں جو موضوعات نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں حریت، غیرت، جنگ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تصوف کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ''ملامست'' اس اسلوب کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔

خوشحال خاں خٹک پشتو کے عظیم شاعر ہیں۔ یہ صاحب قلم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے۔ اس کا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''خوشحال کے لیے وہ لمحات قابل دید ہیں جب تلوار اور زرہوں کی جھنکار ہوتی ہے۔'' خوشحال خاں نے اپنی شاعری میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے متعلق لکھا۔ ان میں عشق حقیقی، عشق مجازی، تصوف، اخلاق، حریت اور بہادری کے موضوعات نمایاں ہیں۔

پشتو ادب کے دوسرے بڑے شاعر رحمان بابا ہیں۔ یہ فقیر صفت شاعر ہمیشہ عشق و تصوف کی کیفیات میں مگن رہتے تھے اور یہی ان کی شاعری کے موضوع بھی تھے۔ ان کے نزدیک عشق ہی کائنات کی تخلیق کا باعث ہے۔ رحمان بابا کو پشتون معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

خوشحال خاں خٹک اور رحمان بابا کا انداز پشتو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی چھاپ بعد میں آنے والے شعراء پر بھی پائی جاتی ہے۔

لوک گیت، پشتو ادب کا بے نظیر سرمایہ ہیں۔ اس کی کئی اشکال ہیں۔ مگر چار بیتہ، ٹپہ، لیمکئی وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ بعض شعراء نے لوک گیتوں کی مختلف صورتوں کو اپنی شاعری کا بھی موضوع بنایا ہے۔ ان شعرا میں نور دین اور ملا مقصود وغیرہ شامل ہیں۔

پشتو نثری ادب نے بیسویں صدی میں ترقی کرنا شروع کی۔ قیام پاکستان کے بعد جدید تعلیم کے زیر اثر نئے نظریات اور خیالات کے حامل اہل قلم نے پشتو لغات، گرائمر نویسی، سوانح نگاری، افسانہ نویسی، ناول اور ڈرامے لکھنے میں نمایاں کام کیا۔

پشتو زبان کے تین لہجے ہیں۔ ایک لہجہ شمال مشرق کے علاقوں کا دوسرا جنوب مغرب کے علاقوں کا اور تیسرا زئی قبائل کا ہے۔ ان تینوں کے مابین بنیادی طور پر صرف تلفظ کا فرق پایا جاتا ہے۔

بلوچی

بلوچی زبان کی قدامت اور اس کے خاندان کے بارے میں کتنے ہی نظریات کیوں نہ ہوں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ بلوچی ادب کی ترقی کا زمانہ قیام پاکستان کے بعد کا ہے۔

بلوچ اپنی معاشرت کے اعتبار سے بادیہ نشین ہیں۔ ان کی زبان بلوچی ہے جس کا تعلق آریائی زبانوں سے ہے۔ بلوچی زبان کے دو اہم لہجے ہیں ایک سلیمانی اور دوسرا مکرانی۔ اگرچہ بلوچی رسم الخط پہلے ایجاد ہو چکا تھا مگر قدیم بلوچی ادب تحریری صورت میں بہت دیر بعد آیا۔ مجموعی طور پر بلوچی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

بلوچی شاعری میں زیادہ اہم رزمیہ شاعری ہے۔ اس کے موضوعات میں ہمت، جاہ و جلال، غیرت، اور بہادری شامل ہیں۔ دوسرا حصہ عشقیہ شاعری کا ہے اس میں حسن و عشق، شباب اور دوسرے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ تیسرا حصہ لوک داستانوں پر محیط ہے۔ اس میں لوری اور موتک کی اصناف قدیم زمانے سے معاشرتی زندگی کا عکس پیش کرتی آئی ہیں۔

بلوچی زبان کی قدیم شاعری کو روشناس کرانے کا کام 1840ء میں ہوا۔ بلوچی ادب کے کلاسیکی نثر میں میر چاکر خان، حسن زندو، حمل رندو منہاد، بیبرگ وگران، نازشہ، مرید ہانی وغیرہ کے قصے مشہور و مقبول ہیں۔ بلوچی ادب کے تیز رفتار ارتقاء کا آغاز قیام پاکستان کے بعد بلوچی رسائل و جرائد نے کیا، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ پر سب سے پہلی کتاب شیر کمسر مری نے لکھی۔ انگریزوں کے دور میں جو بلوچی شاعری تخلیق کی گئی اس میں تصوف، اخلاقیات، اور انگریزوں کے خلاف نفرت کے عنوانات ملتے ہیں۔ اس دور کا بلند پایہ شاعر "مست توکلی" ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اردو حروف تہجی کو گھٹا بڑھا کر بلوچی کے لیے ایک معیاری رسم الخط ایجاد کیا گیا ہے۔ 1960ء میں پہلا بلوچی مجلہ

شائع ہونے سے بلوچی زبان میں صحافت اور ادب کو ایک نیا رخ ملا ہے۔ جدید ادب میں جملہ اصناف سخن پر مشق جاری ہے۔ بلوچستان یونیورسٹی نے بلوچی زبان میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کا اجراء کیا ہے۔

کشمیری

کشمیری زبان ایک تحقیق کے مطابق وادی سندھ کی زبان سے منسلک ہے۔ اس کے کئی مشہور لہجے ہیں جن میں مسلمانکی، ہندکی، گندورو، گامی زیادہ مشہور ہیں۔ معیاری وادبی لہجہ گندورو کو سمجھا جاتا ہے۔ کشمیری ادب کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- پہلے دور میں لوک گیتوں کو فروغ ملا، اس قسم کی شاعری میں کشمیری سماج کی اجتماعی سوچ واحساس کا اظہار پایا جاتا ہے۔ اسے کشمیری لہجے میں رؤف یا لول کہا جاتا ہے۔
2- دوسرے دور میں الٰہیات کے موضوعات پر لکھا گیا۔
3- تیسرے دور میں عشقیہ داستانوں کو منظوم کرنے کی روایت پڑی۔ حبہ خاتون اس عہد کی اہم شاعرہ گزری ہیں۔ اس دور کے منظوم قصوں میں کشمیری کے علاوہ اہم فارسی وعربی قصوں کو بھی کشمیری لباس پہنایا گیا۔ جن کے لیے ارمنی لال اور ملا فقیر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔
4- چوتھے دور میں کشمیری زبان وادب پر روحانی اثر غالب رہا جس کے روح رواں محمود گامی تھے۔
5- پانچواں دور جدید ادب کے زیر سایہ پلا بڑھا۔ یہ اپنے اندر نئے فکری رجحانات رکھتا ہے۔ غلام احمد مہجور کو اس دور میں اہم مقام حاصل ہے۔

کشمیری ادب میں مقامی تخلیقات کے ساتھ دوسری زبانوں سے تراجم بھی ہوئے۔ ایرانی ادب کو خاص طور پر غزل اور مثنوی کے تراجم کے بعد کشمیری شاعری نے بھی اپنی تخلیقی صنف کے طور پر اپنایا۔ آزاد کشمیر یونیورسٹی میں کشمیریات پڑھانے اور تحقیق کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے ہیں۔

سوالات

1- پاکستان میں قومی رابطے کی زبان اردو کو کیوں کہا جاتا ہے؟
2- درج ذیل عنوانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے "پنجابی زبان" پر نوٹ لکھیے۔
   i- پنجابی زبان کے لہجے ii- موضوعات
   iii- بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کا پنجابی زبان کے حوالے سے کردار
   iv- داستان گوئی v- اصناف سخن vi- بیسوی صدی میں پنجابی نثر میں کام
3- سندھی زبان کے مختلف ارتقائی مراحل کی وضاحت کیجیے۔
4- پشتو زبان کے مختلف شعراء اور نثر نگاروں کے کام کو بیان کیجیے۔
5- بلوچی زبان میں رزمیہ شاعری، کلاسیکی نثر اور انگریزوں کے دور کی شاعری کے موضوعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نوٹ لکھیے۔
6- کشمیری زبان کے پانچ مختلف ادوار بیان کیجیے۔